بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالحدیث رحمانیہ دہلی مرحوم

مشاہدات اور تاثرات

قسط سوم

یہ مضمون بہت طویل انتہائی دلچسپ، عبرت خیز اور معلومات سے بھرپور ہے۔ یہ کئی قسطوں میں شائع ہوسکے گا۔ انشاءاللہ۔

اس مضمون کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

۱۔ دارالحدیث رحمانیہ کی تاسیس کا پس منظر اور اس کے اغراض و مقاصد۔

۲۔ دارالحدیث کی خصوصیات اور اس کے نصاب تعلیم کا تفصیلی تعارف۔

۳۔ مدرسین حضرات کا تعارف اور ان کی سیرت و کردار کا مختصر خاکہ۔

۴۔ اہل علم زائرین کرام کا تعارف اور ان کے افکار و آراء اور تقاریر کے اہم نکات کا خلاصہ۔

۵۔ دارالحدیث رحمانیہ سے فارغ ہونیوالے اہل علم کا تعارف اور ان کی کاوشوں کا مختصر خاکہ۔

۶۔ طلباء کی غیر نصابی سرگرمیاں اور مہتمم صاحب کی دلچسپی۔

۷۔ مہتمم دارالحدیث رحمانیہ کے اخلاق و کردار کا ایک خاکہ اور ان کی انتظامی صلاحیت۔

۸۔ دارالحدیث رحمانیہ کا انتظام، نظام امتحان اور ممتحن حضرات کا تعارف۔

۹۔ دارالحدیث رحمانیہ میں طلبہ کے قیام و طعام اور دوسری سہولیات کی تفصیل۔

۱۰۔ ہم سبق ساتھیوں کا مختصر تعارف۔

۱۱۔ متفرق امور۔

عبدالغفار حسن

زائرین کرام کی تشریف آوری

دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں وقتاً فوقتاً ملکی و غیر ملکی مشاہیر اہل علم تشریف لاتے اور اکثر اہل علم کو شیخ عطاء الرحمن صاحب مہتمم مدرسہ خصوصی دعوت پر بلایا کرتے تھے۔

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد

۱۹۳۳ء میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم مدرسہ رحمانیہ میں تشریف لائے۔ اور مدرسے کے وسیع ہال (دارالتذکیر) میں دینی نظام تعلیم پر انتہائی معلومات افزا خطاب فرمایا ان کی ساری تقریر تو یاد نہیں ہے۔ چند باتیں جو دماغ میں محفوظ رہ گئیں وہ عرض کی جاتی ہیں۔ مولانا محترم موصوف نے سب سے پہلے دینی تعلیم کی اہمیت کو بیان کیا پھر درس نظامی کی تاریخ بیان کی۔ اور اس کے محاسن و نقائص پر تبصرہ کیا۔ نقائص بیان کرتے ہوئے انہوں نے توجہ دلائی کہ اب موجودہ حالات میں منطق و فلسفہ کی کتابیں غیر ضروری ہیں بلکہ ضیاع وقت ہے ساتھ ہی انہوں نے عربی ادب کا جائزہ لیا اور مقامات حریری پر سخت تنقید کی۔ انہوں نے فرمایا اس کتاب میں دو بڑے نقص ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا معنوی ظاہری نقص تو یہ ہے کہ حریری صاحب مسجع اور مقفع عبارت کے شیدائی ہیں ان کی قافیہ بندی میں تکلف نظر آتا ہے اس کو پڑھنے کے بعد طلبہ میں بھی یہی اسلوب نگارش رچ

بس جاتا ہے۔ اور معنوی حسن کے بجائے ظاہری قافیہ بندی اور فن بدیع کے محاسن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ حالانکہ عربی عبارت اس طرح نہیں ہونی چاہیئے۔ اگر اس میں قافیہ بندی بھی ہو تو وہ بغیر کسی تکلف کے روانی کے ساتھ آئے۔ اس کتاب کا معنوی نقص یہ ہے کہ اس سے طلبہ کی غلط تربیت ہوتی ہے یہ مقامات کیا ہیں ایک قسم کے افسانے ہیں ان میں سے ایک افسانہ یہ ہے کہ ابو زید سروجی قبرستان پہنچتا ہے اور کاسۂ گدائی لے کر لوگوں سے خیرات مانگتا ہے اس قسم کے افسانوں یا مقامات سے طلبہ کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ بہت سے خیراتی مولوی انہیں افسانوں کی پیداوار ہوں۔ مولانا موصوف کی تقریر تقریباً دو گھنٹے کی تھی۔ اور افسوس کہ قلمبند نہ ہو سکی اور نہ ہی اس زمانے میں ٹیپ ریکارڈ کا رواج تھا۔ اس طرح مولانا موصوف نے عربی کی دوسری کتاب نصحۃ الیمن پر تبصرہ کیا۔ اس کتاب میں اخلاقی تعلیم کا درس نہیں ملتا بلکہ طالب علم کا رجحان پستی اخلاق کی طرف چلا جاتا ہے۔

تقریر کے بعد مولانا کی چائے سے ضیافت کی گئی۔ اس موقعہ پر ان کی ملاقات ہمارے ایک ساتھی محمد عمر سے ہوئی جو پنجاب کا رہنے والا تھا اور کھدر پوش تھا۔ انہوں نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ میں نے بھی قریب ہو کر مصافحہ کیا اور کچھ سوال جواب ہوئے۔ مولانا موصوف نے بڑی محبت سے طلبہ سے گفتگو کی۔ اور ان سے حالات دریافت کئے۔ افسوس ہے کہ اس کے بعد پھر مولانا محترم رحمانیہ میں دوبارہ تشریف نہ لا سکے اور طلبہ ان کے علمی خزانے سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ مولانا ابوالکلام کی تمام تصانیف مثلاً تذکرہ،

جامع الشواہد فی دخول غیر مسلم فی المساجد تفسیر ترجمان القرآن جلد اول و دوم اور البلاغ والہلال کے اکثر شمارے میری نظر سے گزرے ہیں۔ مولانا موصوف خطابت کے بادشاہ تھے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی تحریر بھی زور دار تھی افسوس ہے کہ وہ اپنی آخری دور میں خالصتاً سیاست کیلئے وقف ہو کر رہ گئے۔ اور مسلمان ان کی دینی اور علمی خدمات سے محروم ہو گئے۔ انہوں نے حزب اللہ نامی ایک تنظیم بھی قائم کی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ اذان دے سکے نماز ادا کرنے کی نوبت نہ آسکی۔ غالباً ۳۸ء کا واقعہ ہے جب کہ میں کلکتہ میں تھا اس موقع پر معلوم ہوا کہ مولانا محترم کا خطبہ عید پورے ہندوستان میں ریڈیو کے ذریعے سنا جائے گا۔ کہیں نماز سے پہلے کہیں نماز کے بعد راقم الحروف بھی کلکتے کی وسیع و عریض عیدگاہ میں پہنچ گیا۔ بہت بڑا مجمع تھا۔ مولانا کی تقریر کا ایک فقرہ بلکہ اس کا مفہوم یاد رہا ہے۔ کہ جس پر لوگ عش عش کر اٹھے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ آج بھی میرا یہ خطبہ پورے ہندوستان کے تمام گلی کوچوں میں سنا جائے گا۔ اور تمام عیدگاہوں اور مساجد میں میری آواز گونجے گی۔ اس کے بعد مولانا نے ہندوستان کی جغرافیائی لحاظ سے چاروں حدود کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ شمال سے لیکر جنوب تک اور مغرب سے لے کر مشرق تک میری آواز سنی جائے گی یہ سائنس کا بڑا کمال ہے اس نے بڑا مفید آلہ ایجاد کیا ہے۔ لیکن کیا یہ جدید سائنس کوئی اور آلہ بھی تیار کر سکتی ہے جو میری آواز دل کی گہرائیوں تک پہنچا دے۔ جس کی بناء پر زندگیوں میں انقلاب آجائے۔ فکر و نظر بدل جائے اور اخلاق کی دنیا ایک نئے رنگ اور ڈھنگ سے اشنا ہو جائے۔ او کما قال۔ مولانا موصوف کا خطبہ عید سننے

کے بعد شوق ہوا کہ ان کا خطبہ جمعہ بھی سنا جائے۔ چنانچہ ایک دو ہفتے راقم الحروف شیخ محمد صدیق سیالکوٹی کے ہمراہ بال گنج گیا جو کلکتے کے مضافات میں ہے مولانا موصوف کی رہائش گاہ کے قریب ایک چھوٹی مسجد تھی جو ویران تھی۔ ایک دن مولانا کو خیال آیا کہ کتنے بڑے افسوس کی بات ہے کہ میں قریب رہتا ہوں اور یہ مسجد اللہ کا گھر ویران پڑا ہے۔ مولانا موصوف نے اس کی صفائی کروائی اور وہاں خطبہ جمعہ شروع کر دیا۔ مولانا کا خطبہ سننے کیلئے دور دور سے لوگ آیا کرتے تھے ایک مرتبہ مجھے بھی خطبہ سننے کا شرف حاصل ہوا۔ خطبہ دینی و علمی معلومات سے بھرپور تھا۔ زیادہ تر قربانی کے موضوع پر انہوں نے آیات اور احادیث بیان کیں۔ افسوس ہے کہ اس کے بعد مولانا کی تقریر سننے کا موقع نہیں ملا۔

ایک دوسرا واقعہ وہ ہے کہ جس کے راوی شیخ محمد صدیق سیالکوٹی ہیں جو تقسیم ہند کے وقت کلکتے میں عینکوں کے بڑے تاجر تھے اور مولانا آزاد سے بہت زیادہ دینی لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جمعیت تبلیغ اہلحدیث کلکتہ کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا۔ چنیوٹ کے سوداگران کلکتے میں بڑی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کو اس جلسہ میں ضرور بلایا جائے۔ جس کے صدر مولانا ابراہیم سیالکوٹی تھے۔ اس زمانے میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان کشمکش شروع ہو چکی تھی۔ جلسے کے منتظمین میں سے جن کا میلان مسلم لیگ کی طرف تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ مولانا ابوالکلام آزاد تقریر نہ کر سکیں لیکن جو لوگ مولانا آزاد کے عقیدت مند تھے ان کا اصرار تھا کہ مولانا کی تقریر لازماً ہو گی۔ چنانچہ انکے نام کا اعلان ہو گیا کہ ہفتے کی شام کو چار بجے

مولانا آزاد تبلیغ کے موضوع پر تقریر فرمائیں گے۔ مولانا آزاد بروقت جلسہ گاہ میں پہنچ گئے لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ حاضری بے پناہ تھی کیونکہ ایک طویل عرصے کے بعد جو مولانا آزاد کی تقریر سننے کا موقع مل رہا تھا۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ صدر جلسہ کو چائے پلانے کے بہانے راستے میں روک لیا اس طرح جلسہ بروقت شروع نہ ہو سکا۔ اس انتظار میں آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ اس دوران کسی نے مولانا آزاد سے دریافت کیا۔ کہ مولانا آپ کا مزاج کیسا ہے۔ کچھ طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں بھئی کوئی نہ کوئی تکلیف تو انسان کو رہتی ہے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ آپ آج تقریر کیلئے تیار نہیں ہیں۔ اس سوال کے جواب کے فوراً بعد اعلان کر دیا گیا کہ مولانا آج تقریر کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں اس لئے دوسرے مولانا صاحب تقرر فرمائیں گے۔ اس طرح وہ لوگ کامیاب ہو گئے۔ جو مولانا ابوالکلام آزاد کی خاص دینی تقریر بھی سننے کیلئے تیار نہ تھے۔ محض سیاسی اختلافات کی بناء پر۔ لیکن اس اعلان کے فوراً بعد مولانا کے عقیدت مندوں میں سے ایک نے اعلان کر دیا کہ مولانا کی تقریر کل اتوار کے روز دو بجے ہو گی۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ اتوار کے دن عام تعطیل تھی۔ پہلے دن سے زیادہ مجمع ہو گیا۔ اور ہجوم بڑھتا ہی گیا۔ مولانا اپنی عادت کے مطابق بروقت پہنچ گئے آج بھی مخالفین نے وہ کھیل کھیلنا شروع کیا۔ اور صدر جلسہ کو کسی بہانے راستہ میں روک لیا۔ جب دس منٹ کی تاخیر ہو گئی تو مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب جوش میں آ گئے اور انہوں نے سٹیج پر آ کر حاضرین سے کہا کہ حضرات کل والا ڈرامہ آج پھر کھیلا جا رہا ہے۔ صدر جلسہ کو آج بھی روک لیا گیا ہے۔ لیکن مولانا ابوالکلام صاحب تشریف لے آئے ہیں آپ لوگوں کا کیا خیال

ہے۔ کیا میں صدارت کیلئے کوئی دوسرا نام پیش کر دوں۔ چاروں طرف سے زور زور سے آوازیں آئیں ضرور۔ ضرور۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ صدارت کیلئے میں اپنا نام پیش کرتا ہوں۔ منظور ہے لوگوں نے کہا ہاں منظور ہے۔ منظور ہے شاہ صاحب کرسی صدارت پر بیٹھ گئے۔ مولانا آزاد سے گزارش ہے کہ تشریف لائیں۔ اور تقریر فرمائیں۔ سامعین کا بیان ہے کہ مولانا کی تقریر دو گھنٹے جاری رہی پورے مجمع پر سناٹا تھا اور علم کا سمندر بہہ رہا تھا۔ مولانا آزاد نے تبلیغ کا مفہوم بیان کیا۔ اس کے مقاصد کی وضاحت کی۔ اور پھر بتلایا کہ مختلف مذاہب میں تبلیغ کی نوعیت کیا ہے اور پھر تقریر کے آخری حصہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلامی تبلیغ کے آداب و خصائص بیان فرمائے۔ بہرحال تقریر کیا تھی۔ معلومات کا ایک سمندر تھا جو دو گھنٹے کے اندر سیلاب کی صورت میں بہہ گیا پروگرام کے مطابق مولانا آزاد کے بعد مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر رکھی ہوئی تھی۔ لیکن مولانا بخاری مرحوم نے فرمایا۔ سمندر کے بہہ جانے کے بعد ندی، نالی کی ضرورت نہیں۔ لہذا میں سمجھتا ہوں کہ مولانا کے بعد میری تقریر مناسب نہ ہوگی۔ یعنی یہ علمی لحاظ سے مولانا کی توہین ہوگی۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاسی اختلاف نے ہمارے مزاج کو کس قدر بگاڑ دیا ہے اس اسلامی مزاج کے بگاڑ کی وجہ سے علمی اور دعوتی مزاج کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ یہ ایسا نقصان ہے کہ اس کی تلافی ناممکن ہے۔ مولانا آزاد مرحوم نے جب کہ وہ رحمانیہ میں تشریف لائے۔ ۲۷ء تھی۔ رحمانیہ کے رجسٹر پر حسب ذیل تبصرہ تحریر فرمایا۔ "عمارت معقول ہے مصارف کا کافی انتظام ہے۔ مدرسے میں طلبہ کے قیام کا بھی انتظام ہے۔ تقریباً ۷۵ طلبہ

مقیم ہیں جن کے تمام مصارف کا متکفل مدرسہ ہے۔ اور ان کی ضروریات کا سیر چشمی کے ساتھ انتظام کا جاتا ہے۔ مدارس عربیہ کی عام بے سروسامانیاں دیکھتے ہوئے یقیناً یہ صورتحال نہایت مغتنم ہے۔

مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری (شارح جامع ترمذی)

موصوف کبھی کبھی آنکھ کے علاج کیلئے دھلی تشریف لاتے تو رحمانیہ میں قیام فرماتے۔ یہاں ان کے قیام وطعام اور ان کی ضرورت کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا۔ راقم الحروف نے ان سے باقاعدہ استفادہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس کا موقع مل سکا۔ لیکن مولانا کی قیام گاہ پر طلبہ جمع ہو جاتے اور اس طرح اک مجلس مذاکرہ علمیہ منعقد ہو جاتی اس مجلس سے بہت سے علمی فوائد حاصل ہوتے۔ اس لحاظ سے مولانا محترم کو میں اپنا شیخ تصور کر سکتا ہوں۔ ۳۰ء میں مولانا مرحوم تشریف لائے۔ تو ہمارا ششماہی امتحان ہونے والا تھا۔ مدرسے کے مہتمم صاحب نے ان سے گذارش کی کہ جامع ترمذی کے امتحان کے سوالات مرتب فرمائیں۔ مولانا مرحوم نے اپنے ذوق کے مطابق محدثانہ انداز میں سوالات مرتب کئے مجھے ایک سوال یاد ہے۔ کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الاقعاء سنۃ نبیکم دوسری حدیث میں ہے نہی عن الاقعاء دونوں روایتوں میں تطبیق کیسے ہو گی؟

عام طور پر ممتحن حضرات حدیث کے سوالات میں دوسرے علوم کے سوالات بھی شامل کر دیتے ہیں اور اس طرح پرچہ مشکل بن جاتا ہے۔ لیکن مولانا

موصوف نے سوالات اسی علم کے دائرے تک محدود رکھے اس زمانے میں فجر کی نماز پڑھانے کی ذمہ داری عام طور پر مجھ پر عائد تھی۔ ایک مرتبہ میں نے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورت سجدہ تو پوری پڑھی لیکن سورۃ دہر نصف تک پڑھ کر رکوع کر دیا۔ میرے اس طرز عمل کو بعض طلبہ نے شیخ تک پہنچا دیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ سورۃ دہر پوری پڑھنی چاہیئے تھی۔ جب میں مولانا موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا تو مولانا موصوف نے مجھے تاکید کی کہ آپ دونوں سورتیں مکمل پڑھا کریں۔ جہاں کہیں حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ نے فلاں سورت فلاں دن یا فلاں وقت تلاوت فرمائی تو اس سے مراد پوری سورت ہے۔ اس بناء پر آدھی پون سورت پڑھنا خلاف سنت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ میں نے آج کل کئی خطباء کو جمعہ کی نماز میں سورۃ غاشیہ کی آخری آیات پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ لاہور، فیصل آباد اور اسلام آباد میں بھی یعنی معمول بن گیا ہے کہ (افلا ینظرون) سے شروع کرتے ہیں اور کبھی یہ توفیق نہیں ہوتی کہ پوری سورت پڑھیں۔ اگر کبھی اتفاقاً ہو جائے تو اور بات ہے لیکن اس کو سنت مستمرہ بنا لیا جائے تو یہ غلط ہے۔

مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری اپنے حال و قال اور چال ڈھال ہر لحاظ سے سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ بہت ہی نرم مزاج متواضع اور خوش اخلاق تھے۔ مالی حالت بہت زیادہ اونچی نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود ان کی شان فیاضانہ تھی۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آیا جو مجھ سے فضیلۃ الشیخ علامہ تقی الدین نے مدینہ منورہ میں بیان فرمایا۔ انہوں نے بتایا کہ میں حدیث پڑھنے کیلئے مولانا عبدالرحمن

کے پاس ان کے دولت کدے پر حاضر ہوا اور جب حسب ضرورت حدیث کی بعض کتابیں پڑھنے کے بعد میں روانہ ہونے لگا تو مولانا موصوف نے میری جیب میں چپکے سے پانچ روپے کا نوٹ ڈال دیا۔ ہلالی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سوچتے ہوئے کہ استاذ محترم کی معاشی حالت زیادہ تسلی بخش نہیں ہے۔ میں نے نوٹ واپس کرنا چاہا لیکن انہوں اس ہدیے کے دینے پر اصرار کیا اور بار بار فرمایا کہ آپ اس حقیر ہدیے کو قبول کرلیں۔ یعنی ایک استاد اپنے شاگرد سے التجا کر رہا ہے اس کا ہدیہ قبول کر لیا جائے۔ لیکن ہلالی صاحب نے جب بار بار ہدیہ قبول کرنے سے معذرت کی تو مولانا کی آنکھوں سے آنسوں بہنے لگے۔ اور ان ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اور ان کو یہ صدمہ ہوا کہ میرا ہدیہ کیوں نہیں قبول کیا جاتا ہلالی صاحب کہتے ہیں کہ جب میں یہ صورتحال دیکھی تو فوراً پانچ روپے کا نوٹ اپنی جیب میں ڈال لیا اس طرح استاذ محترم مطمئن ہو گئے حقیقت یہ ہے کہ مولانا اس حدث پر عامل تھے۔ (الید العلیا خیر من الید السفلیٰ)

ایک اور واقعہ مولانا امین احسن اصلاحی نے بتلایا کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے گاؤں سے مولانا موصوف کے پاس جامع ترمذی پڑھنے جایا کرتا تھا۔ اور عام طور پر حدیث کی قرآت میرے ذمے ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے کوئی لفظ پڑھا جس میں استاذ محترم نے مجھے ٹوکا لیکن میں نے اپنے تلفظ پر اصرار کیا مولانا نے نہایت دھیمے لہجے میں فرمایا (راجع اللغۃ) یعنی کوئی عربی لغت دیکھ کر تحقیق کرو۔ میں نے بڑی لاابالیانہ شان سے قریب ہی پڑی ہوئی لغت کی مشہور کتاب المنجد اٹھائی۔ اصلاحی صاحب کہتے ہیں کہ میرا یہ اصرار تھا کہ عربی لغت میں نے لغت کے امام

مولانا فراہی سے پڑھی ہے لہذا میں کیسے غلطی کر سکتا ہوں۔ میں نے المنجد دیکھی وہی تلفظ درست نکلا جو شیخ صاحب فرما رہے تھے۔ اس صورتحال سے میں بہت شرمندہ ہوا۔ اسی بناء پر مولانا اصلاحی صاحب کبھی کبھی فخریہ انداز میں کہہ دیا کرتے تھے کہ میں نے ترمذی پڑھی ہے ترمذی کے ماسٹر سے، اصل بات یہ ہے کہ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے علماء عام طور پر مجمع البحار ہوتے تھے۔ محدث ہونے کے معانی صرف یہ نہیں تھے کہ وہ بہت سی روایات کا حافظ ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ علوم تفسیر علوم القرآن اور علوم لغت و بلاغت سے بھی پوری طرح باخبر ہوتے تھے۔ جب سے یہ پی۔ایچ۔ڈی کا رواج شروع ہوا ہے علوم میں جامعیت کا فقدان ہوتا جا رہا ہے۔ شیخ محترم کی کئی تصانیف ہیں۔ مثلاً تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی آبکار المنن فی رد آثار السنن احکام الجنائز اسی طرح اور کئی مختصر رسالے بھی ہیں جو اپنی معنوی افادیت سے خالی نہیں ہیں۔